Digitized By Khilafat Library Rabwah

روزنامہ الفضل ربوہ

فون: ۴۴۹ ایڈیٹر: نسیم سیفی رجسٹرڈ نمبر ایل ۵۲۵۴

جلد ۷۴/۳۹ سوموار ۶ رجب ۱۴۰۹ھ ۞ ۱۳ تبلیغ ۱۳۶۸ ہش ۞ ۱۳ فروری ۱۹۸۹ء نمبر ۳۸

رمضان المبارک کی آمد آمد

جملہ جماعتوں کی اطلاع کے لئے اعلان کیا جاتا ہے کہ بفضلہ تعالیٰ امسال رمضان المبارک اپریل کے پہلے عشرہ میں شروع ہوگا۔ جماعتیں اس مہینہ سے بھرپور فائدہ اٹھائیں اور تراویح اور درس و تدریس کا پروگرام بنائیں۔ تمام مربیان کرام رمضان المبارک اپنے اپنے سینٹر میں گذاریں۔ اور نماز تراویح اور درس کا التزام کریں۔

نظارت اصلاح وارشاد مرکزیہ

ارشادات عالیہ سیدنا حضرت اقدس بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ

" ہماری جماعت کے لیے یہ امر ضروری پڑا ہوا ہے کہ وہ اپنے وقتوں میں کچھ وقت نکال کر آئیں اور یہاں صحبت میں رہ کر اس غفلت کی تلافی کریں جو غیبوبت کے زمانہ میں پیدا ہوئی ہے اور ان شبہات کو دور کریں جو اس غفلت کا باعث ہوئے ہیں۔ ان کا حق ہے کہ وہ ان کو پیش کریں اور انکا جواب ہم سے سنیں۔ بھلا اگر کمزور بچہ جو ابھی دودھ پینے اور ماں کے کنارِ عاطفت کا محتاج ہے اس سے الگ کر دیا جائے تو تم امید کر سکتے ہو کہ وہ بچ رہے گا۔ کبھی نہیں۔ اسی طرح بلوغ سے پیشتر کے کمال اور معرفت کا حال ہے۔ انسان کمزور بچہ کی طرح ہوتا ہے۔ مامور من اللہ کی صحبت اس کیلئے ضروری ہوتی ہے۔ اگر وہ اس سے الگ ہو جائے تو اس کی ہلاکت کا اندیشہ ہوتا ہے۔"

" درحقیقت یہ ایک بہت ہی ضروری امر ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کسی کو توفیق دے اور وہ اس کو سمجھ لے کہ بار بار آنے کی کسقدر ضرورت ہے۔ اس سے یہی نہ ہوگا کہ وہ اپنے نفس کے لیے فائدہ پہنچائے گا بلکہ بہتوں کو فائدہ پہنچا سکے گا کیونکہ جب تک خود ایک معرفت اور بصیرت پیدا نہ ہو وہ دوسروں کو کیا راہ بتائے گا۔ یہی وجہ ہوتی ہے کہ بعض شریر الطبع لوگ ایسے آدمیوں کو جن کو بار بار آنے کی عادت نہیں کوئی سوال کرتے ہیں۔ چونکہ انہوں نے جوابات سنے ہوئے نہیں ہوتے اور ساکت ہو کر نہ صرف خود خفت اٹھاتے ہیں بلکہ دوسروں کے لیے جو دیکھنے سننے والے ہوتے ہیں ٹھوکر کا موجب ہو جاتے ہیں۔ اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس خفت اور سکوت سے ایمان پر ایک زد پڑتی ہے اور اس میں کمزوری شروع ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب انسان مغلوب ہو جاتا ہے۔ تو وہ غالب کے اثر سے بھی متاثر ہو جاتا ہے۔ بسا اوقات اس کے دل کو وہ اثر سیاہ کر دیتا ہے اور پھر قاعدہ کے موافق وہ تاریکی بڑھنے لگتی ہے یہاں تک کہ اگر اسی میں اس کو موت آجائے تو وہ جہنم میں داخل ہو جاتا ہے۔ ان ساری باتوں پر غور کر کے ایک دانشمند اس نتیجہ پر ضرور پہنچے گا کہ اس بات کی بہت بڑی ضرورت ہے کہ ان زہروں کو دور کرنے کے واسطے جو روح کو تباہ کرتی ہیں۔ کسی تریاقی صحبت کی ضرورت ہے۔ جہاں رہ کر انسان مہلکات کا علم بھی حاصل کرتا ہے۔ اور نجات دینے والی چیزوں کی معرفت بھی کر لیتا ہے۔ اسی واسطے ایک عرصہ سے میرے دل میں یہ بات ہے اور میں سوچتا ہوں کہ اپنی جماعت کا امتحان سوالات کے ذریعہ سے لوں۔ چنانچہ میں نے اس تجویز کا کئی بار ذکر بھی کیا ہے۔ اگرچہ ابھی مجھے موقعہ نہیں ملا لیکن یہ بات میرے دل میں ہمیشہ رہتی ہے کہ ایک بار سوالات کے ذریعہ آزما کر دیکھوں کہ جو کچھ ہم پیش کرتے ہیں اس کے متعلق ان کو کہاں تک علم ہے۔ اور انہوں نے ہمارے مقاصد اور اغراض کو کہاں تک سمجھا ہے۔ اور جو اعتراض اندرونی یا بیرونی طور پر کئے جاتے ہیں ان کی مدافعت کہاں تک کر سکتے ہیں۔ اگر چالیس آدمی بھی ایسے نکل آویں جن کے نفس منور ہو جاویں اور پوری بصیرت اور معرفت کی روشنی انہیں مل جائے تو وہ بہت کچھ فائدہ پہنچا سکیں گے۔"

(ملفوظات جلد دوم صفحہ ۵۸-۲۵۷)

• مکرم و محترم رانا عبد الستار صاحب صدر جماعت احمدیہ لکی نو ضلع جھنگ کچھ عرصہ سے زیادہ بیمار ہیں۔ ضعیف العمر بھی ہیں۔ ان کی صحت کاملہ اور درازی عمر کے لئے خصوصی دعاؤں کی درخواست ہے۔

نظام الدین مہمان

دار العلوم غربی ربوہ

• میرے بھائی مکرم بشیر احمد صاحب ابن حافظ مبارک احمد صاحب عرصہ ایک سال سے دل کے عارضہ میں مبتلاء ہیں آج کل بغرض علاج جرمنی میں بمعہ اہل خانہ مقیم ہیں بعد علاج ڈاکٹروں نے دل تبدیل کرنے کا مشورہ دیا ہے۔

احباب سے عاجزانہ درخواست دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کمزور دل کو شفا عطا فرمائے۔ اور دل بدلنے کی ضرورت نہ پڑے۔

مودود احمد جان۔

ابن حافظ مبارک احمد صاحب سابق پروفیسر جامعہ احمدیہ ربوہ

یوم پیشگوئی (فضل عمر)

تمام جماعتوں کے عہدیداران اپنی جماعت میں اور اپنے حالات کے مطابق مورخہ ۲۰ فروری ۱۹۸۹ء کو یوم پیشگوئی (فضل عمر) پوری شان کے ساتھ منائیں اور اس پیشگوئی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈال کر احباب کو آگاہ کریں۔ تمام مربیان اس کی پابندی کرائیں۔ اور پھر کارروائی کی رپورٹ ارسال مرکز کریں۔

نظارت اصلاح وارشاد

احباب جماعت کی خدمت میں گذارش ہے کہ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے ۳ اپریل ۱۹۸۷ء کے بعد پیدا ہونے والے بچوں کو وقفِ نو میں پیش کریں۔

وکیل الدیوان

Digitized By Khilafat Library Rabwah

روزنامہ الفضل ربوہ
پبلشر مسعود احمد، پرنٹر: قاضی منیر احمد مطبع: ضیاء الاسلام پریس ربوہ
مقام اشاعت: دار النصر غربی ربوہ۔ قیمت: ایک روپیہ ۵۰ پیسے

۱۳ تبلیغ ۱۳۶۸ ہش ۱۳ ر فروری ۱۹۸۹ء

مذہب - آسان یا مشکل

مذہب کیسا ہونا چاہیئے؟ آسان یا مشکل؟ یہ سوال کتنا عجیب سا ہے لیکن عجیب ہونے کے باوجود ایسے ذہنوں میں ہمیشہ کھلبلاتا رہتا ہے جو یہ نہیں جانتے کہ مذہب کا منبع کیا ہے۔ اگر تو مذہب انسان نے خود بنانا۔ اپنے لئے خود اصول ترتیب دیتے ہیں جس طرح کسی کھیل کے کھلاڑی ایسوسی ایشن بناتے وقت اس کی کانسٹی ٹیوشن بناتے ہیں کہ اس طرح لوگوں کو اس کا ممبر بنائیں گے اور اس طرح اور اتنا ارکان سے چندہ لیں گے اور اس اس طرح کھیلا کریں گے۔ پھر تو ٹھیک ہے یہ سوال ضرور زیر بحث آنا چاہیئے کہ مذہب آسان ہو یا مشکل۔ لیکن مذہب خدا سے تعلق کا نام ہے اور خدا خود بتاتا ہے کہ اس سے تعلق کیونکر پیدا کیا جائے تو پھر یقیناً یہ سوال بے معنی ہو جاتا ہے کہ مذہب آسان ہو یا مشکل اللہ تعالیٰ جس راستے سے کہے گا اسی راستے سے اس کے پاس جانا پڑے گا۔ اس کے لئے جو شرائط وہ مقرر کرے گا ان پر عمل کرنا پڑے گا۔ اور اگر اس راستے پر نہ چلیں اور ان شرائط کو پورا نہ کر سکیں تو پھر چاہے کہیں پہنچ جائیں اس کے پاس نہیں پہنچ سکتے اور اس کو نہیں پا سکتے۔

جب سے انسان اس دنیا میں آیا ہے مذہب کا یہی تصور رہا ہے کہ خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کیا جائے اور یہ تعلق اس کی شرائط کے ماتحت پیدا کیا جائے۔ اور اس کا یہی طریق ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کا ہاتھ پکڑتا ہے اور اس کی رہنمائی کرتے ہوئے دنیا کو اس کے پیچھے لگ جانے کی دعوت دیتا ہے۔ جو پیچھے نہیں لگتا اسے تو چھوڑیئے۔ جو پیچھے لگ جاتا ہے وہ یقیناً کامیاب ہو جاتا ہے۔ اصل بات معلوم کرنے والی یہ ہوتی ہے کہ جس کے پیچھے لگنے کے لئے اس نے کہا ہے وہ خود اس کے ساتھ ہے یا نہیں۔ وہ اپنی قدرت سے اور اپنی حکمت کاملہ سے اس بات کا ثبوت دیتا ہے یا نہیں کہ اس شخص کو اس نے کھڑا کیا ہے۔ یہ بات ہے تو پھر آسان اور مشکل کا کیا سوال ہے۔ ہاں از خود اس کی بتائی ہوئی باتوں کو مشکل بنانے کی کوشش نہ کی جائے۔ وہ یقیناً

(باقی صک پر)

مانگتا ہوں میں دعائیں رات دن
اے خدا میری خطاؤں کو نہ گن
نیکیوں کی تو مجھے توفیق دے
اور مجھے ہر اک گنہ سے آئے گھن

——— ابو الاقبال

وہ جو آئے تو سیم و زر آئے
لعل آئے کئی گہر آئے

گھر پہ تالا پڑا ہے مدّت سے
اُس سے کہدو کہ اپنے گھر آئے

کل ہی یہ ہونٹ مسکرائے تھے
اشک آنکھوں میں آج بھر آئے

زندگی اُس کے نام لکھ دی ہے
ہم کو مرنا تھا آج مر آئے

جانتا ہوں میں اُن کی عادت کو
آج ہی آئیں گے وہ گر آئے

جان سستی سی چیز لگتی ہے
ایسی منزل سے ہم گزر آئے

کل نہ شاید اُسے ملے فرصت
جو بھی کرنا ہے آج کر آئے

اُڑ گئے دوست منزلوں کی طرف
دیر میں اپنے بال و پر آئے

ایک انبوہ خواہشوں کا ہے
کوئی اُمّید اپنی بر آئے

روتے بھیجا تھا تُو نے دنیا میں
خشک دامن تھا ہے کے تر آئے

تیری دنیا کی دیکھ لی حالت
دم کو سادھے ہوئے ہیں ڈر آئے

جانبازوں کی آزمائش تھی
ہم ہتھیلی پہ لے کے سر آئے

چھوڑ ہی جاتے ہم بھی گھر اپنا
ہم کو سمجھانے بام و در آئے
نیکیاں لاکھ کی ہوں عظمت نے
سب گناہ آج اس کے سر آئے

فہمیدہ منیر

Digitized By Khilafat Library Rabwah

"بارگاہِ ایزدی سے تو نہ یُوں مایوس ہو"

رقم فرمودہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب

ایک بہن کے سوال کا جواب دیتا ہوں۔ یہ بہن لکھتی ہیں کہ ان کے لڑکے نے اپنی بیکاری دور کرنے کے لئے ایک امتحان دیا تھا مگر باوجود محنت کرنے اور دعائیں مانگنے کے وہ ناکام رہا ہے جس کی وجہ سے اس کے اندر مایوسی کی کیفیت پیدا ہو رہی ہے بلکہ (خدا کی پناہ) خدا کے متعلق بھی شکوک اٹھ رہے ہیں کہ اتنی دعاؤں کے باوجود خدا نے میری نہیں سُنی۔ یہ بہن گو اپنی ذات میں بہت نیک اور مخلص ہیں مگر اپنے بچے کی وجہ سے فکرمند ہیں اور چاہتی ہیں کہ دعاؤں کے اس پہلو پر کچھ روشنی ڈالی جائے تاکہ جماعت کے نوجوانوں کے لئے بصیرت اور سہارے کا موجب ہو۔ سو اس کے متعلق یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ ساری غلط فہمی دراصل دعاؤں کے حقیقی فلسفہ کے نہ سمجھنے اور شریعت اور قضا و قدر کے قانون میں امتیاز نہ کرنے کا نتیجہ ہے ورنہ بات بہت صاف ہے اور میں اس کے متعلق اپنی کتاب "ہمارا خدا" اور "سیرت خاتم النبیین" حصہ سوم میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھ چکا ہوں۔

مختصر طور پر یہ جاننا کافی ہے کہ دعاؤں کے متعلق یہ خیال کرنا کہ ہر انسان کی ہر دعا لازماً منظور ہونی چاہیئے جس صورت میں کہ وہ چاہتا ہے ایک بالکل باطل نظریہ ہے جس کے قبول کرنے سے سارا نظام عالم درہم برہم ہونے لگتا ہے۔ کیونکہ اس نظریہ کے قبول کرنے سے یہ لازم آتا ہے کہ خدا دنیا کا آقا اور مالک نہیں ہے بلکہ (خدا کی پناہ) انسانوں کا غلام ہے اور اس بات کے لئے مجبور ہے کہ ہر بات میں لازماً ان کی خواہش کے مطابق چلے اور ظاہر ہے کہ جو ہستی ہر بات میں لازماً دوسروں کے اشارہ پر چلنے میں مجبور ہو اور کسی بات میں ذرہ بھر اِدھر اُدھر نہ ہو سکے وہ غلام ہوتی ہے نا کہ آقا۔ اسی لئے (حضرت اقدس بانی سلسلہ) فرمایا کرتے تھے کہ دعاؤں کے معاملہ میں بندوں کے ساتھ خدا کا تعلق دوستانہ رنگ کا ہوتا ہے کہ کبھی وہ ان کی بات مانتا ہے اور کبھی اپنی بات منواتا ہے اور درحقیقت یہی دعاؤں کے فلسفہ کا مرکزی نقطہ ہے۔ جس کے بغیر نہ تو خدا کی خدائی باقی رہتی ہے اور نہ بندے کی بندگی۔ ہاں ہاں غور کرو کہ یہ کتنی غیر معقول اور خلاف عقل بات ہے کہ انسان دنیا کی خالق و مالک ہستی کے متعلق تو یہ امید رکھے کہ وہ بہرحال اس کی مانے اور اس کی دعاؤں کو ہر صورت میں قبول کرے لیکن خود خادم ہو کر اپنے مالک و آقا کی کسی خلاف مرضی تقدیر کو ماننے کے لئے تیار نہ ہو۔!!

دوسری بات اس تعلق میں یہ جاننی ضروری ہے کہ بسا اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ مختلف لوگوں کی دعائیں آپس میں ٹکراتی ہیں اور ایک شخص کی دعا قبول کرنے کا لازمی نتیجہ دوسرے شخص کی دعا کے رد کرنے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ مثلاً ایک مالی اور باغبان ہے جس کا باغ سوکھ رہا ہے اور اسی پر اس کی ساری روزی کا دارومدار ہے اور وہ فوری بارش کی دعا مانگتا ہے مگر ایک دوسرا شخص مٹی کے برتن بنانیوالا گِل ساز ہے اور اس کے بہت سے برتن خشک ہونے کے لئے دھوپ میں رکھے ہیں اور وہ اس بات کے لئے دست بدعا ہے کہ خدایا ابھی بارش کو کچھ عرصہ روک کر رکھ تاکہ میری یہ زندگی کی پونجی تباہ نہ ہو جائے۔ اب یہ دونوں دعائیں ایسی ہیں کہ ایک دوسرے کے بالکل متضاد اور مخالف پڑی ہوئی ہیں اور ایک کو قبول کرنا دوسری کو رد کرنے کے مترادف ہے۔ پس لامحالہ ان حالات میں یا تو ان دعاؤں میں سے صرف ایک دعا ہی قبول ہو گی اور دوسری رد کر دی جائے گی اور یا خدا تعالیٰ ان دونوں دعاؤں کو نظر انداز کر کے ایک ایسا رستہ اختیار فرمائے گا جو باغبان اور گِل ساز کی محدود ضرورتوں کے میدان سے باہر قدم رکھتے ہوئے علاقہ کی مجموعی ضرورت کے لحاظ سے مناسب ہو گا۔ اور خدا اپنے مصالح کو بہتر سمجھتا ہے۔

تیسری بات یہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ بعض اوقات انسان ایک ایسی دعا مانگتا ہے جو درحقیقت خود اس کے لئے مضر ہوتی ہے لیکن وہ اس کی حقیقت کو نہیں سمجھتا یا یہ دعا اگر اب نہیں تو آئندہ چل کر اس کے لئے نقصان دہ ثابت ہونے والی ہوتی ہے۔ مگر وہ علم غیب نہ رکھنے کی وجہ سے اس کے نقصان کو نہیں جانتا۔ تو اس صورت میں خدا کی رحمت کا یہی تقاضا ہوتا ہے کہ وہ ایسی دعا کو رد کر دے۔ اگر ایک ماں اپنے اس بچے کے ہاتھوں کو پکڑ سکتی ہے جو وہ اپنی نادانی سے شوق میں آ کر آگ کے سرخ و نیلگوں شعلوں کی طرف بڑھاتا ہے اور اس کے رونے اور چلانے کی پرواہ نہیں کرتی تو خدا جو ارحم الراحمین ہے کس طرح اپنے بندوں کی ان نادانی کی دعاؤں کو قبول کر سکتا ہے جو وہ بری چیزوں کو اچھا خیال کرتے ہوئے خدا سے مانگتے ہیں؟۔

پھر **چوتھی** اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ بعض لوگ دعا کرتے ہوئے قضاء و قدر کے قانون کو بالکل بھلا دیتے ہیں اور توقع رکھتے ہیں کہ وہ محض دعا کی وجہ سے ظاہری اسباب کو نظر انداز کرتے ہوئے کامیاب ہو جائیں۔ مثلاً اگر کوئی امتحان دیتا ہو تو محنت کرنے کے بغیر یا پوری محنت کرنے کے بغیر یا صحیح طریق پر محنت کرنے کے بغیر محض دعا کرنے یا کرانے سے امید کرتے ہیں کہ ان کا کام ہو جائے گا۔ حالانکہ خدا تعالیٰ کی باریک در باریک حکمت نے روحانی اور جسمانی نظاموں کو ایک دوسرے سے بالکل جدا رکھا ہے۔ روحانی میدان کی کمی عام حالات میں جسمانی میدان پوری نہیں کر سکتا اور جسمانی میدان کی کمی عام حالات میں روحانی میدان پوری نہیں کر سکتا۔ یہ گویا خدا تعالیٰ کی مرکزی حکومت کے ماتحت دو جدا جدا صوبائی حکومتیں ہیں جن میں ایک طرح کا ہوم رول قائم ہے گوشت کا قانون گوشت کے ساتھ ہے اور روح کا قانون روح کے ساتھ ہے۔ اگر خدا کا ایک برگزیدہ نبی بھی کوئی ایسی چیز کھائے گا جو ثقیل ہونے کی وجہ سے پیٹ میں درد پیدا کرنے والی ہے تو اس کا نبی ہونا اسے پیٹ کی درد سے نہیں بچا سکے گا کیونکہ نبوت روحانی میدان سے تعلق رکھتی ہے اور ثقیل چیز سے پیٹ میں درد ہونا جسم کے قانون کا حصہ ہے۔ اسی طرح اگر دو ایسے آدمی گہرے پانی میں کود گئے جن میں سے ایک نیک ہے اور دوسرا بد تو وہ نیک آدمی جو تیرنا نہیں جانتا ڈوب جائے گا۔ لیکن وہ بد آدمی جو تیرنا جانتا ہے۔ بچ جائے گا کیونکہ تیرنا یا ڈوبنا جسم کے قانون سے تعلق رکھتا ہے اور نیک آدمی کی نیکی اسے تیرنا سیکھنے کے بغیر ڈوبنے سے نہیں بچا سکتی۔

یہ فرق اور امتیاز اس لئے ہے کہ اگر ایسا نہ ہو تو دنیا کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے اور بنی نوع انسان کی ساری ترقی رک جائے اور انسانی دماغ ایک ٹھوس اور منجمد پتھر کی طرح ٹھٹھک کر رہ جائے۔ مثلاً اگر قوانین طب کی تحقیق کے بغیر محض دعا کی وجہ سے لوگوں کی بیماریاں دور ہو جائیں تو کسی کو کیا مصیبت پڑی ہے کہ طبی تحقیقاتوں کے پیچھے سرگرداں ہو۔ یا اگر محض دعا کے نتیجہ میں انسان ڈوبنے سے بچ جائے تو لوگ تیرنا کیوں سیکھیں اور کشتیوں اور جہازوں کو پانی کی سطح پر رکھنے کے اصول کیوں سوچیں؟

الغرض غور کیا جائے تو علم اور سائنس کے ہر شعبہ کی ترقی محض اس وجہ سے ہے کہ مادہ کا قانون روح کے قانون سے جدا رکھا گیا ہے۔ اور (مستثنیات کو الگ رکھتے ہوئے) جب تک انسان مادہ کے قانون پر حاوی نہ ہو وہ محض روح کی توجہ اور دل کی دعا سے مادہ کے میدان میں ترقی نہیں کر سکتا۔ لہٰذا بعض لوگوں کا یہ خیال کرنا کہ ہم نے دعا کی تھی مگر پھر بھی فیل ہو گئے اور ہم نے سجدوں میں ناک رگڑی تھی مگر پھر بھی اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوئے ایک خیال باطل ہے۔ انہیں چاہیئے کہ امتحان کے لئے پڑھیں بھی اور دعا بھی کریں اور دنیوی مقاصد کے لئے ظاہری کوشش بھی کریں اور خدا کے حضور سر بسجود بھی رہیں۔ کیونکہ دعا ایک روحانی تدبیر ہے اور محنت اور کوشش ایک ظاہری اور مادی تدبیر ہے اور دونوں کے ملنے سے ہی بہترین نتیجہ نکل سکتا ہے اور دراصل ...... توکل کا یہی سچا فلسفہ ہے کہ دعا اور دوا دونوں کو ملایا جائے۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک بدوی رئیس آیا اور اپنے اخلاص کے جوش میں مسجد نبویؐ کے باہر ہی اپنی اونٹنی کھلی چھوڑ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہو گیا۔ جب وہ تھوڑی دیر کے بعد واپس گیا تو اس کی اونٹنی اِدھر اُدھر بھٹک کر غائب ہو چکی تھی وہ گھبرایا ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دوبارہ حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں نے تو آپ کی مجلس کے شوق میں خدا پر توکل کرتے ہوئے اونٹنی کو کھلا چھوڑ دیا تھا۔ مگر اب باہر گیا ہوں تو وہ غائب ہے۔

Digitized By Khilafat Library Rabwah

آپ نے فرمایا :-

"یعنی پہلے اونٹنی کا گھٹنا باندھو اور پھر توکل کرو۔"

اللہ اللہ!! کیا ہی سادہ مگر کیا ہی لطیف کلام ہے۔ اور روح اور جسم کی مرکب حکمت سے کتنا بھرپور!! اور یہ وہی حدیث ہے جس پر مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے یہ مشہور مصرع کہا ہے کہ:-

بر توکل زانوئے اُشتر ببند

کوئی کہہ سکتا ہے کہ جب مادی تدبیروں کو بہر حال اختیار کرنا ضروری ہے تو پھر دعا کا کیا فائدہ ہے مگر یہ محض نادانی کا اعتراض ہوگا۔ ہم ہر روز اپنی جسمانی بیماریوں کے لئے مرکب نسخے استعمال کرتے ہیں جن میں سے بعض میں تین دوائیاں پڑتی ہیں اور بعض میں چار اور بعض میں پانچ اور بعض میں اس سے بھی زیادہ۔ تو کیا ہم اپنے اہم دینی اور دُنیوی مقاصد میں کامیابی کے لئے دو دوائیاں بھی استعمال نہیں کر سکتے۔ جن میں سے ایک رُوح کو تازہ رکھنے کے لئے ہے اور دوسری جسم کو چوکس و ہوشیار اور مستعد بنانے کے لئے؟ دراصل دنیوی کاموں کے متعلق دعا سکھانے میں ...... مدنظر دوہری غرض ہے ایک یہ کہ تا محض مادی باتوں میں پڑ کر ...... روح اور توجہ الی اللہ کا جذبہ کمزور نہ ہونے پائے اور دوسرے یہ کہ تا مادی تدبیروں کے ساتھ دعا اور نصرت الٰہی کا زور شامل ہو کر ہمارے مقاصد کے حصول کو ہمارے لئے آسان تر کر دے اور یہی ہمیشہ انبیاء اور صلحاء کی سنت رہی ہے کہ وہ اپنے دنیوی مقاصد میں ظاہری تدبیر کے ساتھ دعا کو اور دینی مقاصد میں دعا کے ساتھ ظاہری تدبیر کو شامل کرتے رہے مگر اصل بھروسہ خدا کی ذات پر رکھتے رہے اور یہی صراط مستقیم کا مرکزی نقطہ ہے۔ ہاں اگر کسی وقت کوئی ظاہری تدبیر میسر ہی نہ ہو تو ایسی صورت میں اہل اللہ صرف دعا پر بھروسہ کرتے ہوئے قدم بڑھاتے چلے جاتے ہیں اور اسی میں خدا اُن کے لئے کامیابی کا راستہ کھول دیتا ہے مگر یہ ایک استثنائی صورت ہے جس پر عام حالات کا قیاس نہیں ہونا چاہیئے۔

خلاصہ یہ کہ وہ نوجوان جو کسی کام میں ناکامی دیکھ کر گھبراتا اور مایوس ہونے لگتا ہے اسے چاہیئے کہ کم از کم مندرجہ ذیل باتوں کو ضرور یاد رکھے:-

(۱) خدا ہمارا آقا ہے نہ کہ خادم۔ پس ضروری نہیں کہ وہ ہماری باتوں کو مانتے بلکہ وہ دوستوں کی طرح بعض اوقات اپنے بندوں کی بات مانتا ہے اور بعض اوقات اپنی منوا کر ان کے ایمان کا امتحان کرتا ہے۔

(۲) بسا اوقات خدا کے مختلف بندوں کی دعائیں آپس میں ٹکراتی ہیں اور اس صورت میں یہ ناممکن ہوتا ہے کہ خدا سب کی دعائیں قبول کرے پس وہ جسے زیادہ حقدار دیکھتا ہے اس کی دعا قبول کر لیتا ہے اور دوسروں کے صبر کو آزماتا ہے۔ لہذا وہ شخص جو اپنی دعاؤں میں زیادہ مقبولیت حاصل کرنا چاہتا ہے اسے چاہیئے کہ اپنے آپ کو زیادہ حقدار بنائے۔

(۳) بعض اوقات دعا کرنے والا اپنی نادانی میں ایک ایسی چیز کی خواہش کرتا ہے جو خدا کے علم میں اس کے لئے (دین میں یا دنیا میں۔ حال میں یا مستقبل میں) نقصان دہ ہوتی ہے تو اس صورت میں خدا جو اپنے بندوں کے لئے ماں باپ سے بھی زیادہ شفیق ہے۔ ان کی دعا کو رد کر کے اس ذریعہ سے اس کے لئے ایک رحمت کا نشان قائم کرتا ہے۔

(۴) بعض اوقات بندہ دنیوی تدبیروں اور سامانوں کو نظر انداز کرتے ہوئے محض دعا کے ذریعہ کامیاب ہونا چاہتا ہے یا دنیوی سامانوں کو اختیار تو کرتا ہے مگر اس حد تک اختیار نہیں کرتا جس حد تک اختیار کرنا ضروری ہے۔ تو اس صورت میں خدا اسے ناکام کر کے اس طرف توجہ دلاتا ہے کہ دنیا کے اسباب بھی ہمارے ہی پیدا کئے ہوئے ہیں۔ پس "پہلے اونٹنی کا گھٹنہ باندھو اور پھر توکل کرو"۔

ان کے علاوہ اور بھی کئی باتیں ہیں۔ مثلاً دعا میں جلد بازی کرنا یا سنت الٰہی کے خلاف دعا کرنا وغیرہ وغیرہ۔ مگر میں اس مختصر نوٹ میں صرف انہی چار باتوں پر اکتفا کرتا ہوں۔

بارگاہِ ایزدی سے تو نہ یوں مایوس ہو
مشکلیں کیا چیز ہیں مشکل کشا کے سامنے
حاجتیں پوری کریں گے کیا تری عاجز بشر
کر بیاں سب حاجتیں حاجت روا کے سامنے

دلچسپ

کبریائی خدا تعالیٰ کی شان ہے۔ انسان بسا اوقات غفلت و جہالت یا طاقت و حکومت کے نشہ کی وجہ سے اپنے آپ کو یا اپنے ممدوح کو کبریائی کے اس مقام پر فائز کر دیتا ہے جو خدا تعالیٰ کے شایانِ شان ہے ویسے تو یہ دنیا دارالجزا نہیں ہے اور ہر غلطی اور گناہ کی سزا یہاں ہی نہیں مل جاتی تاہم غرور و تکبر کی سزا اس دنیا میں بھی ملتی ہے اور خدا تعالیٰ جو سزا بعد میں دے گا وہ الگ مگر زیادہ اہم اور ڈرنے کی بات ہے۔

کبر و غرور کے مقابلہ میں انکسار و تواضع کا خلق ہے جس کا اجر و ثواب تو بہت ہی زیادہ ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ظاہر ہے کہ تواضع اور انکساری انسان کو رفعتوں کے آسمان تک پہنچا دیتی ہے۔ مگر دنیا میں بھی اس کے ثمرات و نیک نتائج ظاہر ہوتے ہیں۔

سر فیروز خان نون نے جو ہماری ملکی سیاست میں ایک نمایاں اور ممتاز مقام رکھتے تھے اور پاکستان کے وزیر خارجہ اور وزیر اعظم بھی رہے تھے اپنی سرگزشت میں ایک نہایت دلچسپ و عجیب واقعہ لکھا ہے جس میں انکساری و فروتنی کے علاوہ بھی بہت سے اور قابلِ توجہ اور قابلِ غور امور پائے جاتے ہیں وہ اپنی خود نوشت سوانح "چشم دید" میں لکھتے ہیں۔

"پارلیمنٹ میں حزب اختلاف نے جارحانہ تقریروں کے دوران میں مجھ سے مطالبہ کیا تھا کہ کشمیر میں فوجی کارروائی کی جائے۔ میرا جواب یہ تھا کہ پاکستان اگر ہندوستان سے جنگ چاہتا ہے تو اسے کوئی دوسرا وزیر اعظم تلاش کرنا پڑے گا۔ اس بیان کا ہندوستان میں بہت اچھا اثر پڑا اور میری پنڈت نہرو سے ملاقات کے لئے نہایت سازگار فضا تیار ہو گئی۔

اپنی طویل سیاسی زندگی اور تجربات کے باوجود مجھے رہ رہ کر خیال آتا تھا کہ دہلی کا سفر جہاں میں آزادی کے بعد سے اب تک نہیں گیا تھا۔ نہایت نازک معاملہ ہے۔ جب ہم پالم کے ہوائی اڈہ پر پہنچے تو ایک دلچسپ واقعہ ہوا۔ جس سے سنجیدگی کی فضا کسی حد تک زائل ہو گئی گو میری اہلیہ کو تھوڑی سی گھبراہٹ کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ میرے پیچھے پیچھے طیارہ سے نیچے اتر رہی تھیں کہ ان کی سلیپر کی وضع کی ایک جوتی جسے ہماری خواتین ساڑھی کے ساتھ پہنتی ہیں پھسل کر نیچے جا گری اس سے پہلے کہ وہ سیڑھی طے کر کے نیچے پہنچتیں۔ پنڈت نہرو نے سلیپر اٹھا لی اور جب وہ نیچے اتریں تو ان کے سامنے اس طرح رکھ دی کہ پہننے میں دشواری نہ ہو۔ فوٹو گرافروں نے اس سے خاصہ لطف لیا اور بہت سی تصویریں کھینچیں۔ خوش اخلاقی کے اس سلوک سے نہرو کی وجاہت میں کوئی فرق نہیں آیا بلکہ اس میں کسی قدر اضافہ ہی ہو گیا۔ تمام اخبارات نے اپنے عالی ظرف وزیر اعظم کو بہت سراہا۔

یہ واقعہ مجھے اپنی زندگی کے ایک اور چھوٹے سے واقعہ کی یاد دلاتا ہے جس کا تعلق سر محمد ظفر اللہ سے ہے جو میرے عمر بھر کے ساتھی ہیں۔ انہوں نے بلا کی قوتِ حافظہ پائی ہے۔ اور میری خواہش ہے کہ وہ اپنی یادداشتیں ضرور مرتب کریں۔ ایک بار میں سر محمد ظفر اللہ کی دعوت پر مرزا صاحب سے ملاقات کے لئے ربوہ گیا۔ جو احمدیہ فرقہ کا مرکزی صدر مقام ہے۔ کمرے میں داخل ہوتے وقت میں نے جوتے اتار دیئے۔ ملاقات کے بعد جب میں جانے کے لئے کھڑا ہوا تو مرزا صاحب سے باتیں کرتے کرتے پاؤں سے جوتے ٹٹولنے لگا۔ یہ دیکھ کر سر محمد ظفر اللہ نیچے جھکے۔ میرے جوتے اٹھائے اور قرینے سے جوڑ کر میرے سامنے رکھ دیئے بیشتر پاکستانیوں نے اس طرز تپاک کا خواب بھی نہیں دیکھا ہوگا۔ وہ تو ایسی حرکت کو اپنے وقار کے منافی اور کسر شان سمجھتے ہیں لیکن ظفر اللہ کے وقار کو اس سے کوئی صدمہ نہیں پہنچا۔ ان کی منکسر مزاجی نے میرے دل پر گہرا اثر چھوڑا۔

مجھے رہ رہ کر خیال آتا ہے کہ اس طرح کے حالات میں جو ہمیں پالم کے ہوائی اڈہ پر پیش آئے اگر کہیں میں نے مسز اندرا گاندھی کی جوتیاں اٹھائی ہوتیں اور ان کے سامنے سیدھی کر کے رکھی ہوتیں تو معلوم نہیں پاکستانی اخبارات کیا کچھ حاشیہ آرائی کرتے۔

بدقسمتی سے میرے دور میں مارشل لاء کے نفاذ تک بالخصوص اخبارات نے اپنے ہی رہنماؤں پر حملہ کرنے، جماعتی اختلافات کو ہوا دینے اور ذاتی عداوتوں کا بیج بونے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ان کا رویہ اکثر و بیشتر غیر ذمہ دارانہ تھا۔ اسی غیر ذمہ دارانہ رویہ نے اکتوبر ۱۹۵۸ء سے پہلے غیر یقینی فضا پیدا کرنے میں مدد دی۔ عوامی نمائندوں پر حملے اور محض سنسنی پھیلانے یا ذاتی مفاد پورے کرنے کے لئے طرح طرح کی خبر سازی اور ان کی اشاعت روز کا معمول بن چکی تھی۔" —— عبد الباسط

Digitized By Khilafat Library Rabwah

ہماری تاریخ

سیدنا حضرت اقدس کے شعری کلام کی ابتداء

حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ چونکہ (دین حق) کی قلمی جنگ میں فتح نصیب جرنیل کی حیثیت سے دنیا میں آئے تھے اس لئے قدرت نے ابتداء ہی سے آپ کو قلم کی لازوال قوتوں سے مسلح کر کے بھیجا تھا اور نہ صرف نثر نگاری کے وسیع وعریض میدان کے آپ شاہسوار تھے۔ بلکہ اقلیم سخن کو آپ کی تاجداری پر ناز تھا۔ حضور اقدس نے اپنے ہم عصر شعراء کی طرح شعر وشاعری کو بطور پیشہ اختیار نہیں کیا۔ بلکہ اسے ذکر الٰہی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق وفدائیت کے اظہار کا ایک مؤثر ذریعہ قرار دیا۔ اور پھر اپنی خدا داد روحانی و اخلاقی صلاحیتوں کی بدولت اس میں اپنے انفاس قدسیہ سے وہ روح پھونکی کہ الفاظ گویا (دین حق) کی ایک پُرشوکت فوج میں بدل گئے اور تخیلات وتصورات زبردست روحانی اسلحہ خانوں میں ڈھل گئے جو قیامت تک کفر و ضلالت کے فولادی قلعوں کو پاش پاش کرتے رہیں گے۔

حضرت اقدس ایک عالی خاندان کے فرد تھے جسے بجا طور پر سخنوروں کا گہوارہ قرار دیا جانا چاہیئے۔ آپ کے والد ماجد نے بھی طبیعت رسا پائی تھی وہ فارسی میں نہایت عمدہ شعر کہتے تھے۔ اور تحسین تخلص کرتے تھے۔ حضرت مرزا سلطان احمد صاحب نے ایک دفعہ ان کا کلام بلاغت نظام حافظ عمردراز صاحب ایڈیٹر "پنجابی اخبار" کو دیا تھا مگر وہ فوت ہو گئے۔ اور ان کے ساتھ یہ قیمتی خزانہ بھی معدوم ہو گیا۔ ایک ایرانی شاعر نے اس امر کا اظہار کیا تھا کہ ان کا فارسی کلام ایرانی شعراء کی طرح فصیح و بلیغ ہے۔ اسی طرح حضور کے بڑے بھائی مرزا غلام قادر صاحب کو بھی ذوقِ سخن تھا۔ اور وہ مفتون تخلص کرتے تھے۔

حضرت اقدس کے شعری کلام کی ابتداء کس سن میں ہوئی؟ اس بارہ میں احمدی مؤرخین کوئی قطعی رائے قائم نہیں کر سکے۔

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کو مرزا سلطان احمد صاحب سے شعروں کی ایک کاپی ملی تھی۔ جس میں حضرت اقدس نے اپنے دست مبارک سے شعر درج کئے تھے۔ اس کاپی میں کئی شعر نامکمل تھے۔ اور بعض شعر نظر ثانی کے لئے بھی چھوڑے ہوئے تھے۔ یہ کاپی حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کے بیان کے مطابق بہت پرانی معلوم ہوتی ہے جو غالباً جوانی کا کلام تھا۔ اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت اقدس نے جوانی میں کلام کہنا شروع کیا تھا۔ اور جوانی کے زمانے کا سب سے ابتدائی کلام جو معین تاریخ کے ساتھ ملتا ہے۔ وہ ۱۸۷۳ء کا فارسی کلام ہے۔ آپ ابتداء میں فرخ تخلص کیا کرتے تھے۔ جسے اپنے دعویٰ کے چند سال بعد بالکل ترک کر دیا۔ ان دنوں آپ اگرچہ اردو اور عربی شعروں میں اپنے خیالات کا اظہار فرماتے لیکن آپ کی زیادہ تر توجہ اپنی خاندانی زبان فارسی کی طرف تھی۔ یہ تو ابتدائی زمانہ کی بات ہے۔ ورنہ بعد میں آپ نے اُردو، عربی اور فارسی تینوں زبانوں کو (دین حق) کی منادی کا ذریعہ بنا لیا۔ آپ کا کلام الگ الگ تینوں زبانوں میں دُرِّثمین کے نام سے چھپا ہوا ہے۔ جسکی عظمت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کی زندگی بھر کے اہم واقعات دعاوی اور علم کلام اس میں پوری جامعیت کے ساتھ موجود ہیں۔

۱۸۸۰ء سے پہلے جب کہ آپ کی مستقل تصانیف کی اشاعت شروع نہ ہوئی تھی۔ آپ کبھی کبھی اپنا کلام ملک کے بعض اخبارات میں بھی بھجوا دیتے تھے۔ چنانچہ "منشور محمدی" میں ایک اردو نظم جو حضور نے قادیان سے ۸ محرم ۱۲۹۵ھ مطابق ۱۲ جنوری ۱۸۷۸ء کو رقم فرمائی۔ اور نیاز نامہ متعلقہ "جواب الجواب" کے عنوان سے بھی شائع ہوئی۔

حضرت اقدس نے دعویٰ سے قبل "دیوان فرخ قادیانی" کے نام سے اپنی غزلیات اور قطعات کا ایک مجموعہ بھی مرتب فرمایا تھا۔ جو آپ کی وفات کے آٹھ سال بعد دسمبر ۱۹۱۶ء میں "دُرِّ مکنون" کے نام سے پہلی دفعہ منظر عام پہ آیا۔

اس مجموعہ کلام میں حمدِ الٰہی، شان مصطفےٰ، غیر مذاہب کے رد، (دین حق) کی حقانیت، اصلاح نفس، ذکر اولیاء، نشان اولیاء، علامات اولیاء، اخراج نبوت از یہود، ترک دنیا، دعا، ایمان، مذمت کبر، نفس امّارہ، مرتبہ سلوک، مذمتِ شرک اور مذمت گور پرستی وغیرہ علمی و روحانی مسائل اور تصوف کے قیمتی اسرار و نکات بیان کئے گئے تھے۔ اس دیوان کے زمانہ تصنیف کا تعین اس وقت تک نہیں کیا جا سکا۔

سلسلہ احمدیہ کے پہلے مورخ جناب شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی کے نزدیک اس کا زمانہ تصنیف قیام سیالکوٹ کے دور سے شروع ہوتا ہے۔ اور بعض کے نزدیک سیالکوٹ سے واپسی کے بعد خود مجموعہ میں چار مقامات پر ۱۷ اکتوبر ۱۸۷۳ء۔ ۳۱ اگست ۱۸۷۹ء۔ ۲۱ ستمبر ۱۸۷۶ء اور ۱۶ نومبر ۱۸۸۸ء کی تاریخیں درج ہیں۔ لہٰذا قیاسات اور تخمینوں سے الجھے بغیر علیٰ وجہ البصیرت کہا جا سکتا ہے کہ یہ مجموعہ ۱۸۷۳ء سے ۱۸۸۸ء تک کے پندرہ سالہ عرصہ کو محیط ہے۔

ہم بیمار کیوں ہوتے ہیں؟

ہم بیمار کیوں ہوتے ہیں؟ اس کے کئی عوامل ہیں۔ کھانا اچھا نہ ہو۔ مضر صحت ہو۔ ضرورت سے زیادہ کھا لیا جائے تو ہمارے بیمار ہونے کا امکان ہے۔ جس ماحول میں ہم رہ رہے ہیں وہ صاف نہ ہو، وہاں گندگی ہو گھٹن ہو۔ بدبو ہو تو ہم بیمار ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح اگر ماحول میں مکھی یا مچھر پل رہے ہوں تو وہ ہماری بیماری کا باعث بن سکتے ہیں۔ اگر ضمنی طور پر ہمیں سکون نہ ہو۔ حالات کا ہم پر ضرورت سے زیادہ دباؤ ہو۔ پریشانیاں ہمیں گھیرے ہوئے ہوں۔ ہمیں سکون میسر نہ ہو۔ ہر وقت ہم ایسی باتوں کے متعلق سوچتے رہتے ہوں جو ہمیں نقصان پہنچا سکتی ہوں تب بھی ہم بیمار ہو سکتے ہیں۔ ایک اور ذریعہ بھی جسم میں بیماری کے داخل ہونے کا ہے۔ نہایت غیر معلوم اور غیر محسوس طریق پر بعض جراثیم ہمارے جسم میں داخل ہو جاتے ہیں اور ہمیں بیمار کر دیتے ہیں۔ ایسی بیماریاں دوسرے لوگوں سے بھی لگ سکتی ہیں اور ہمیں اپنے آپ بھی ان جراثیم کے داخل ہو جانے سے بیماری کا امکان ہوتا ہے۔ بعض اوقات گھریلو پریشانیاں اور بعض اوقات کام کاج یعنی دکان دفتر یا کسی اور جگہ، جہاں ہم کام کرتے ہوں وہاں کی پریشانیاں ہمیں بیمار کر دیتی ہیں۔ سب باتیں ایسی ہیں کہ ان کے خلاف ذہنی اور جسمانی مہم کی ضرورت رہتی ہے۔ ہمیں یاد ہے کہ ہمارے ایک بزرگ ڈاکٹر صاحب نوجوانوں پر تبصرہ کر رہے تھے۔ کہنے لگے یہ لوگ پرواہ ہی نہیں کرتے۔ بیماری آتی ہے تو آنے دیتے ہیں۔ میں تو یوں کرتا ہوں کہ دائیں طرف سے بیماری آنے لگے تو ادھر کا دروازہ بند کر دیتا ہوں۔ بائیں طرف سے آنے لگے تو ادھر کا دروازہ بند کر دیتا ہوں۔ آگے سے آنے لگے یا پیچھے سے آنے لگے بہر حال جدھر سے بھی بیماری آنے لگتی ہے میں دروازہ بند کر دیتا ہوں اور اسے اپنے اندر یعنی اپنے جسم میں داخل نہیں ہونے دیتا۔ کہنے لگے کہ اب دیکھئے۔ سردی ہے میں نے مفلر سے اپنے سر کو لپیٹا ہوا ہے اور چھاتی بھی گرم رکھی ہوئی ہے لیکن نوجوان اس بات کی پرواہ نہیں کرتے۔ کھانا کھاتا ہوں تو اسی قدر جتنی کہ ضرورت ہوتی ہے بلکہ اس سے بھی کچھ کم۔ اپنے کمروں کو۔ اپنے صحن کو صاف رکھنے کا عادی ہوں اور میرے گھر چل کر دیکھئے۔ آپ کو صحن میں کوئی ذراسی بھی ایسی جگہ نہیں ملے گی جہاں پانی ٹھہر سکتا ہو۔ اور جس میں جراثیم پل سکتے ہوں۔ یہی حال میرے کمروں کا بھی ہے (اتنی اچھی بات بتانے والے ڈاکٹر صاحب کا نام تھا۔ قاضی منیر احمد صاحب۔ اب اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند فرماتا رہے)

بات تو ان کی ٹھیک ہے اگر انسان کوشش کرے تو بہت حد تک بیماریوں سے بچ سکتا ہے صحت درست ہو تو اسے درست رکھنے کی کوشش کرنی چاہیئے اور اس کوشش کے لئے یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ کیا کچھ کرنا مفید

باقی صفحہ ۸ پر

Digitized By Khilafat Library Rabwah

طریقۂ تحریر کی ابتداء کس طرح ہوئی؟

مکرم مولوی محمد ابراہیم صاحب خلیل

جب آپ کسی جنگل میں سے گزریں تو آپ کے بعد دوسرا گزرنے والا شخص پاؤں کے نشانات سے سمجھ سکتا ہے کہ کون گذرا ہے۔

اسی طرح سے پڑھنے اور لکھنے کا کام شروع ہوا۔ پہلوں کے نشانات کو دیکھ کر ہم اب بھی بعض باتوں کی تشریح کرتے ہیں۔ جیسا کہ سُرخ جھنڈیاں اور سُرخ لیمپ خطرہ کے نشان ہیں ان کو دیکھ کر جاہل بھی سمجھ لیتا ہے۔ کہ ان کا کیا مطلب ہے۔

لکھنے کا طریقہ تین لاکھ سال سے بھی پرانا ہے۔ جبکہ آدمی کی پیدائش کا ابتدائی زمانہ تھا۔ لوگ غاروں میں رہتے۔ جنگلوں میں جانوروں کا شکار کرتے تھے اور کھاتے تھے ان کی کھال پہنتے۔ تاکہ گرم رہیں۔ ان کے ہتھیار پتھر کے تیر وغیرہ تھے۔ اسی لئے ان کے زمانہ کو پتھر کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ نیز پتھر کے تیروں سے وہ ان جانوروں کی تصویریں اپنے رہنے کی غاروں کی دیواروں پر یا بڑی بڑی ہڈیوں اور ہاتھی دانتوں اور سینگوں پر کھینچتے تھے۔ جو ان کی خوراک کے بعد باقی رہتے تھے۔ ان غار کی دیواروں پر کھینچی ہوئی تصویروں سے ہم بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ بنی نوع انسان دنیا میں پہلے پہل کس طرح رہتے تھے۔ اور ہم ان تصویروں کو سب سے پہلے طرزِ تحریر کی ابتداء کہہ سکتے ہیں۔

(۲) دوسری منزل تحریر کی سوانح حیات ہیں ہم اس وقت کو سمجھتے ہیں۔ جبکہ مذکورہ بالا لوگوں نے گاؤں اور شہروں میں رہنا شروع کر دیا تھا۔ ہم اس کو "تہذیب کا زمانہ" کے نام سے موسوم کرتے ہیں کیونکہ CIVILIZED کے اصلی معنے مادہ کے لحاظ سے یہ ہیں کہ شہری ہو یا بہت سے لوگوں کی جماعت۔

اب شکار کی بجائے انہوں نے زمین کی کاشت شروع کر دی۔ پودوں سے اپنی خوراک حاصل کی اور پالتو جانور کھانے کے لئے رکھے۔ دریاؤں کے کنارے رہنے لگے۔ (میسوپوٹیمیا) عراق کا علاقہ جس میں دجلہ اور فرات دریا بہتے ہیں۔ دنیا میں سب سے پہلا تہذیب یافتہ علاقہ کہا جاتا ہے۔ یہی جگہ ہے جہاں پہلے انسان اپنے گھر بنا کر رہے۔ ان کو SYMERIANS کہا جاتا ہے۔ انہوں نے قانون امن قائم کرنے کے لئے بنائے اور خرید و فروخت کے لئے حساب رکھنے لگے قانون اور حساب کتاب لکھنا پڑا، تو ان لوگوں نے نرم مٹی کی تختیاں بنائیں ان کی طرزِ تحریر کو CUNEIFORM کہتے ہیں یعنی پھانے کی شکل کی مُہریں جو ہڈی یا دھات کی بنی ہوئی ہوتیں اور وہ خاکی تختیوں پر مہر لگاتے تھے۔ ان کو دھوپ میں خشک کر کے رکھتے تھے۔ ایسی پرانی تختیاں ہزارہا دبی ہوئی ملی ہیں۔ جن پر امن و جنگ اور بونے اور کاٹنے کے قانون درج ہیں۔ بعض لفافوں میں بند کر کے دوسرے ملکوں کو ارسال کی ہوئی دیکھی گئی ہیں۔ ہزارہا سال کی پرانی ہیں۔

سب سے پرانے وہ چار ہزار سالہ قانون ہیں جو کہ بادشاہ حمورابی کے ہیں۔ جس میں مجرموں کو سزا دینے کے طریقے تک لکھے ہوئے ہیں۔ اور وہ پتھروں پر کندہ ہیں۔ اور اس کی حکومت میں مختلف مقامات پر لاٹھوں پر کندہ کر کے لگائے گئے ہیں۔

پہلے مصری لوگوں کو پتہ نہیں لگتا تھا۔ کہ دریائے نیل جس پر وہ جیتے تھے کہاں سے آتا ہے۔ اس لئے وہ اس کی پوجا کرتے تھے۔ بہت پرانی مصری تحریرات پتھروں پر کندہ تھیں۔ پرانے عہدنامہ میں صاف لکھا ہے۔ کہ موسیٰؑ نے خدائی احکام پتھر کی تختیوں پر وصول کئے تھے جب بنی اسرائیل دریائے جواردن سے گزرے۔ تو انہوں نے پتھر کی لاٹھیں احکام سے کندہ شدہ لگائیں۔ مصر کا وہ ملک ہے۔ جہاں موسیٰؑ سکول میں داخل ہو کر لکھنا پڑھنا سیکھتے رہے۔ لیکن پتھروں پر لکھنا بہت مشکل اور ان کو اٹھانا وزنی ہونے کی وجہ سے بہت مشکل تھا۔ وادیٔ نیل میں مصری لوگ کسی اور مفید چیز کی تلاش میں نکلے یہ ایک پودا تھا جو کہ دریائے نیل کے کنارے بہت پیدا ہوتا تھا۔ جس نے مصر کو لکھنے کی تاریخ میں بہت مشہور کر دیا۔ ایک قسم کے قدرتی سرکنڈے تھے جس سے وہ اپنی ٹوکریاں اور جال بناتے تھے۔ بہت سے کاٹ کر اوپر کا چھلکا اتار کر گودا کپڑے پر لمبے رُخ بچھا دیتے۔ اس کے اوپر اور کپڑا باریک بچھا کر دو گھنٹے خوب ہتھوڑے سے کوٹتے۔ یہاں تک کہ ایک باریک صاف تہ بن جاتی۔ کپڑے جُدا کر کے اس مصالحہ کو سورج میں خشک کر لیتے۔ پھر پالش کر کے لکھنے کے قابل بنا لیتے۔ سرکنڈوں کی قلم اور لیموں کے گُل سے سیاہی بنا لیتے لمبے لمبے کاغذ جوڑ کر دونوں سروں پر لکڑی کی پھٹیاں لگا کر نقشہ کی طرح اکٹھا کر لیتے۔ اسی قد کا لکڑی کا ایک کیس بنا کر خراب ہونے سے بچانے کے لئے ڈال لیتے۔ بیماریوں کے علاج کے لئے اور مذہبی لوگوں کے جادو وغیرہ تصویری تحریر میں لکھتے جو خاص لوگ ہی سمجھتے۔

یہ SEMITES تھے جنہوں نے طرزِ تحریر کو آسان کیا۔ کیونکہ وہ بڑے سیاح اور تاجر تھے۔ ان سے یہودی اور عرب نسلیں نکلی ہیں۔ وہ الف کہتے کلہاڑا کے سر کو۔ ب کہتے گھر کو۔ ان سے یونانیوں نے لکھنا سیکھا اور رومن نے الفابیٹا سیکھا۔

کئی صدیوں تک تحریر کا کام بہت مشکل اور آہستہ تھا۔ ہاتھوں سے لکھتے۔ مصری کاغذ کا رواج تمام دنیا میں ہو گیا۔ تاجر عراقی لوگ یونانی اور ٹیلین لوگوں کے لئے کاغذ لیتے آئے اور اس تجارت سے مصر کو بھی بہت فائدہ ہوا۔

۱۸۷۵ء میں سٹینلے سیاح نے مشرقی افریقہ میں بائیبل کے تھے ۱۶ انچ پتلی نرم لکڑی پر لکھے۔ اور یوگنڈا کی زبان میں بائیبل کا ترجمہ بہت سے ایسے پھٹوں پر لکھ کر لائبریری بنائی۔ یونان اور اٹلی میں لکڑی کی تختیوں کی نوٹ بکیں تیار کی گئیں جن پر ایک نوکدار دھات سے لکھا جانے لگا۔

اب درختوں کا گودا بھی کاغذ بنانے میں استعمال ہونے لگا۔ سلیٹ کا بھی استعمال ہونے لگا۔ جانوروں کی کھالیں بھی لکھنے کے کام میں بہت مفید ثابت ہوئیں جو سینکڑوں سالوں تک خراب نہ ہوتیں۔ کھالوں کو دونوں طرف سے خوب اچھی طرح صاف کر کے باریک کر کے لکھ کر تہہ کر لیتے اور اکٹھا سی کر کتابی شکل میں کر لیتے جس کو CODEX کہتے ہیں۔

جب مسیحیت سارے یورپ میں پھیلی۔ تو یہ کوڈیکس بہت استعمال کیا گیا۔ آپ غور کیجئے کس قدر آہستہ اور محنتی کام تھا بائیبل کا ہاتھ سے لکھنا۔ کئی ماہ میں ایک کتاب لکھ کر ختم کرتے۔ صرف امیر لوگ ہی لکھتے پڑھتے۔ کیونکہ کتب نادر اور قیمتی ہوتیں۔ چھاپہ خانہ کی ایجاد سے کتب سستی ہوئیں۔

بہت سے انگریزی الفاظ سے تحریر کی تاریخ کی درجوں کا علم ہوتا ہے۔ جیسے STYLE لاطینی میں STELUS وہ نوکدار ہتھیار ہے جس سے مٹی پر لکھتے تھے BOOK کے اصلی معنی لکڑی کی لکھنے کی تختی CODE، CODESC سے بنا ہے۔ اور لائبریری لاطینی LIBER سے بنا ہے جس کے معنے گودا کے ہیں۔ PAPER، PAPYRUS سے بنا ہے۔ جو ان سرکنڈوں کو کہا جاتا ہے جو دریائے نیل کے کنارے پائے جاتے تھے۔

WRITE کے معنے کاٹنا یعنی سب سے پہلے زمانہ میں پتھر اور مٹی اور لکڑی کو احتیاط سے کاٹنے کو کہتے ہیں۔

پہلی کتب جو طبع ہوئیں وہ پندرھویں صدی میں تھیں۔ ایک بائیبل کے لکھنے کے لئے ۳۰۰ بھیڑوں کی کھال کی ضرورت ہوتی تھی۔

ہم چین کے ممنونِ احسان ہیں جہاں سے پہلے پہل کاغذ بننا شروع ہوا۔ کیونکہ چین ان دنوں سب سے مہذب ملک تھا۔ جبکہ یورپ کے لوگ غیر مہذب تھے۔ مصریوں کی طرح چینیوں نے ایک تصویری تحریر رائج کی پہلے وہ بانسوں پر لکھتے تھے، جو وہاں عام پائے جاتے ہیں۔ پھر لکڑی کے ٹکڑوں پر۔ لکڑی چھوٹے پیغاموں کے لئے لیکن بانس لمبے مضمونوں کے لئے مستعمل ہوتی تھی۔ کیونکہ وہ اُوپر سے نیچے کی طرف لکھنے کے عادی ہیں۔ بانس تجارتی معاہدوں کے لئے بھی استعمال ہوتا تھا لمبے بانس کے دونوں طرف لکھ کر درمیان سے توڑ لیتے۔ ایک حصہ بیچنے والے دوسرا حصہ خریدنے والے کے پاس رہتا۔ اسی طرح چینی پاسپورٹ ۱۴ انچ لمبا ہوتا تھا۔ ایک سرے پر نام۔ ولدیت۔ جگہ۔ عمر لکھی جاتی۔ آدھا حصہ مسافر کے پاس آدھا حصہ دربان کے پاس جو شہر کی فصیل کا محافظ ہوتا۔ تب داخلہ ہوتا۔ جب مسافر شہر کے باہر آتا تو دونوں جوڑ لیتا۔ دوسری چیز لکھنے کے لئے ریشم ہوتا تھا چینی بالوں کا برش بنا کر لیمپ کی سیاہی بناتے۔ لیکن یہ بہت مہنگا پڑتا۔ اور بانس اور لکڑی کی کتابیں بہت بھاری ہوتیں۔ کہا جاتا ہے کہ ایک بڑا عالم تین گڈے لکڑی کی کتب کے اکٹھا کرتا۔ اور سفر کرتا تھا۔ پہلا اصلی کاغذ درختوں کے گودوں سے تیار کیا گیا۔ مغربی دنیا کو یہ نئی ایجاد عجیب طور پر ملی۔ آٹھویں صدی عیسوی میں ٹرکی کے چیقس میں جنگ ہوئی۔ ایک نے چین کو امداد کے لئے بلایا۔ دوسرے نے عرب کو۔ عرب نے چینیوں کی فوجوں کو شکست دے دی۔ چینی قیدی جو پکڑے گئے۔ وہ کاغذ عمدہ بنا سکتے تھے۔ ان کے ذریعہ سے عرب مملکت میں کاغذ کے بڑے بڑے کارخانے بنائے گئے۔ دمشق سب سے بڑا مرکز تھا جہاں سے یورپ کو کاغذ بھیجا جاتا تھا۔ پانچ صد سال تک عربوں نے یہ بھید کسی کو نہ بتلایا۔ یورپ میں کوئی لکھنا پڑھنا نہ جانتا تھا۔ یہاں تک کہ سپین کی جنگ میں ہار کر ان کو سکھلانے پر مجبور کیا گیا۔ بعد ازاں مطبع اور کاغذ کی فراوانی اور بہتات سے ہزارہا کتب شائع ہو کر جہالت کی زنجیروں سے انسان کو نجات ملی۔

Digitized By Khilafat Library Rabwah

جھنگ کا ملنگ شاعر
جناب محمد شیر افضل جعفری

از قلم ـــــــ عاصم جمالی

درد ہو تو درد دیتا ہوں
کیا مریض اور کیا طبیب ہوں میں

ابنائے فارس کے قدموں کو چومنے والی سرزمین کا نہایت قادر الکلام شاعر ۲۲ جنوری ۱۹۸۹ء کو سہ پہر تین بجے کا عمل ہو گا کہ اپنے اہلِ خانہ کے درمیان بیٹھے بیٹھے نا معلوم کس درد سے ہمکنار ہوا کہ خود تو درد دیتا در حبیبؐ پر لبیک کہہ گیا مگر اپنے چاہنے والوں کو داغِ جدائی دے گیا۔ جو نہ صرف اپنوں بلکہ بیگانوں میں بھی یکساں مقبول تھا۔

یہ صاحب طرز شاعر نہ صرف اپنی شاعری میں فرد تھا بلکہ اپنی وضع قطع میں بھی اک نرالی شان کا حامل تھا۔ اکہرے بدن پر چہرہ متناسب سفید داڑھی اور قدرے لمبی مونچھوں سے مزین تھا اور اپنے سفید براق شملے سے دُور ہی سے پہچانا جاتا تھا۔ برصغیر کے ادبی و علمی رسائل میں موصوف کا کلام بڑے اہتمام سے شائع ہوتا اور داد پاتا رہا۔

جعفری مرحوم ادبی محفلوں اور مشاعروں کی تو گویا روح رواں تھے۔ اسی برس کی عمر پائی۔ شاہ و گدا کے دکھ درد میں برابر کا شریک رہا اور سٹین لیس سٹیل ایسی رونق آخری دم تک برقرار رہی۔

ابتدائی عمر نہایت عسرت میں گذری۔ اپنی زندگی کا آغاز محکمہ تعلیم میں بطور مدرس کیا اور اے۔ ڈی۔ آئی کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔ اپنے بچوں کی نہایت اعلیٰ تربیت کی جو اب اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں۔

اگر اسے قرانِ سعدین کا نام دیا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔ وفات سے چند یوم پیشتر عین ناچیز کی رہائش گاہ کے سامنے ملاقات ہوئی۔ ڈرائنگ روم میں چائے وغیرہ سے تواضع کا شرف پایا۔ کھانسی کی تکلیف میں مبتلا تھے اور اپنے فرزند کے ساتھ کسی ڈاکٹر سے چیک اَپ کے لئے جا رہے تھے دورانِ گفتگو میں نے عرض کیا کہ ہمارا پیارا پرچہ "الفضل" چار سالہ بندش کے بعد دوبارہ شائع ہونا شروع ہو گیا ہے۔ یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور فرمانے لگے کہ میں آپ لوگوں (یعنی احمدیوں) کے استقلال کی داد دیتا ہوں کہ نہایت نامساعد حالات میں بھی ثابت قدمی کا نمونہ آپ لوگوں نے دکھلایا ہے۔

دورانِ گفتگو مینٹل پیس پر نظر پڑی تو صوفے سے اٹھ کر قریب جا کر دیکھا کہ حضور ایدہ اللہ کی تصویر رکھی ہے۔ خوب غور سے دیکھا اور کہا کہ میں نے اپنی زندگی میں ان دو اشخاص کی آنکھوں میں جو مستی دیکھی ہے وہ کہیں نظر نہیں آئی۔ وہ ہیں گوتم بدھ اور مرزا صاحب۔

مجھ سے ہمیشہ شفقت کا سلوک کرتے تھے۔ اپنے پاس آنے والے کتب و رسائل مجھے پڑھنے کے لئے دیا کرتے تھے۔ اس وقت بھی ان کی دی ہوئی ایک کتاب "سلومی" مصنفہ عبد العزیز خالد میرے پاس تھی جو آپ نے ایک عرصہ پہلے مجھے دی تھی۔ واپس کرنے پر کہا کہ یہ تو مجھے یاد ہی نہیں تھی۔

ایک دفعہ کراچی کے احمدی شاعر عبید اللہ علیم کا ایک شعری مجموعہ دیا جو انہیں علیم صاحب ہی نے دیا تھا۔ آپ علیم صاحب کے حسنِ اخلاق کے بڑے معترف تھے اور ان کے لئے سراپا سپاس تھے کہ انہوں نے آپ کے اعزاز میں کراچی میں ایک محفل مشاعرہ کا اہتمام بھی کیا تھا۔

اردو نظم و نثر سے تحریکِ آزادی میں حصہ لیا مگر بعد میں تکمیلِ مقصد پر کسی ستائش کی تمنا نہ کی نہ ہی کوئی احسان جتایا۔

مکرم و محترم ڈاکٹر نصیر احمد خان کا مجموعہ کلام ربوہ سے ناچیز کو جعفری صاحب کو پہنچانے کے لئے ملا جو آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ جسے پا کر بے حد خوش ہوئے۔ آپ پہلے پاکستانی نوبل انعام یافتہ سائنس دان ڈاکٹر عبد السلام دام اقبالہ کے استاد تھے۔ ڈاکٹر صاحب کو نوبل انعام ملنے پر ایک بڑی خوبصورت نظم غالباً "شاباش" کے عنوان سے لکھی اور آپ کے اعزاز میں جھنگ میں منعقدہ ایک تقریب میں پڑھ کر سنائی۔ جس میں موصوف نے ڈاکٹر صاحب کو "جناں داچن" کہہ کر مخاطب کیا۔

جعفری صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میرا شاگرد عبد السلام مجھ سے بہت ہی عنایت و نوازش کا برتاؤ کرتا ہے۔ جب بھی کبھی کوئی سفارشی چٹھی وغیرہ لکھتا ہوں تو ساتھ ایک ہزار روپیہ کا چیک بلا طلب بھیج دیتے ہیں جس سے الٹا میں شرمندہ ہوتا ہوں۔ تو حتی الوسع اس ندامت سے بچنے کے لئے خط لکھنے سے اجتناب کرتا ہوں۔"

جعفری مرحوم کے آخری دیدار کے لئے جاتے ہوئے رستے میں ایک شعر نظر سے گزرا جو کہ ان کے لئے ہمارے حسب حال ہے۔

زخم دے کر ملال کرتے ہو
یار تم بھی کمال کرتے ہو

اسی طرح جناب حکمت ادیب صاحب یوں گویا تھے

اجل کو چوڑیاں پہنا رہا ہو گا
جنیخ ہو گی

ــــــــــ

اس شاعرانہ تعلّی کے قطع نظر "سیرۃ المہدی" مصنفہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے میں حضرت اقدس بانیٔ سلسلہ سے ایک روایت درج ہے کہ جس کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ جب کوئی آدمی فوت ہوتا ہے تو اس کی روح عالم بالا میں ایسے جاتی ہے جیسے کوئی نو بیاہتا۔ اگر اعمال اچھے ہوں تو آسانی رہتی ہے۔ بہر کیف دعا ہے کہ خدا موصوف کو اپنی بخشش کی چادر میں ڈھانپ لے۔

بقیہ: اداریہ

کسی پر اتنا بوجھ نہیں ڈالتا جسے وہ اٹھا نہ سکے بے شک سہل انگار لوگ اسے ضرورت سے زیادہ بوجھ سمجھیں۔ لیکن ضرورت سے زیادہ بوجھ سمجھنے والوں کو تو پھر یوں کہنا چاہیئے کہ یا خدا (خدا نہ کرے) انسانی فطرت سے ناواقف ہے یا جس نے وہ بات کہی ہے وہ خدا ہے ہی نہیں۔

اس معیار سے مذہب کو پرکھیں۔ یونہی کہہ دینا یہ بات مشکل ہے اور وہ بات ناممکن العمل کوئی دلیل نہیں۔

بقیہ: "ہم بیمار کیوں ہوتے ہیں"

ہو سکتا ہے۔ ایک شخص کھانستا بھی ہے اور سگریٹ بھی پیئے چلا جاتا ہے۔ آپ اندازہ لگائیں کہ اس کی کھانسی اس طرح بڑھے گی یا کم ہو گی۔ اگر اس طرح اسکی کھانسی بڑھے گی تو کیا یہ اس کا فرض نہیں کہ وہ سگریٹ چھوڑ دے تاکہ کھانسی سے اسے نجات ملے۔

اپنی صحت کو برقرار رکھنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ کبھی کبھی ایسے حالات پیدا کئے جائیں جو معمول سے زیادہ خوشی کا باعث ہوں۔ مثلاً پک نک پر جائیں۔ وہاں کھلی فضا میں وقت گزاریں۔ ہنسی خوشی سے باتیں کریں۔ کھیلیں کودیں اور اس طرح یہ تمام جسمانی اور ذہنی تھکاوٹ دُور کر دیں جو کئی دن مسلسل کام کرنے کے نتیجہ میں پیدا ہوتی تھی۔ بعض اوقات انسان بیمار تو نہیں ہوتا لیکن محسوس کرتا ہے کہ وہ تھکا تھکا سا ہے جیسے سر میں کسی حد تک چکر آنے کی کیفیت ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں آپ کو اپنی نیند کے متعلق سوچنا چاہیئے۔ کیا آپ پوری طرح نیند سے مطمئن ہو جاتے ہیں۔ کیا جتنا وقت آپ کو اپنی عمر اور صحت کے لحاظ سے سونا چاہیئے آپ سو لیتے ہیں۔ نیند زیادہ یا کم تو نہیں۔ زیادہ بھی نقصان دہ ہے اور کم بھی نقصان دہ ہے۔ کیا آپ اپنے جسم میں سختی تو محسوس نہیں کرتے جسے ہم عام طور پر تناؤ کہتے ہیں

اپنے آپ کو ڈھیلا چھوڑ دیجیئے۔ نیند کے بغیر بھی بستر پر لیٹ کر جسمانی اور ذہنی آسودگی حاصل کرنے کی کوشش کیجئے۔ آپ دیکھیں گے کہ تھوڑی سی دیر میں آپ ہشاش بشاش ہو گئے ہیں۔ اور وہ گھٹن جس سے آپ کو تکلیف کا احساس ہوتا تھا اب ختم ہو چکی ہے۔ اگر آپ خود اپنی صحت کے متعلق سوچنا شروع کر دیں تو آپ یقیناً کئی ایسے نتائج پر پہنچ جائیں گے جو آپ کے لئے مفید ہو سکتے ہیں ہاں اس سوچ کے بعد بعض اوقات ایک کمی ضرور رہ جاتی ہے اور وہ یہ کہ آپ سمجھتے ہیں کہ میرے پاس یہ کرنے کا بھی وقت نہیں ہے اور وہ کرنے کا بھی وقت نہیں ہے۔ یہ بات کرنے کو بھی جی نہیں چاہتا اور وہ بات کرنے کو بھی جی نہیں چاہتا۔ اگر ایسا ہے تو آپ کو یقین کر لینا چاہیئے کہ آپ خود اپنی صحت کی خرابی کے ذمہ دار ہیں۔ ایسا نہ ہونے دیجئے۔ صحت اللہ تعالیٰ کی ایک نہایت حسین و جمیل اور اہم عطا ہے۔ اسے قائم رکھیئے۔ آپ بھی خوش اور آپ کا خدا بھی خوش۔

ہماری اعلیٰ لذّات
ہمارے خدا میں ہیں

Digitized By Khilafat Library Rabwah

رپورٹ سالانہ اجتماع فیصل آباد شہر

لجنہ اماء اللہ فیصل آباد شہر کا مقامی اجتماع ۲۲ / دسمبر ۱۹۸۸ء کو مکرمہ صدر صاحبہ فیصل آباد کی زیر صدارت محترم حمید اللہ صاحب کی رہائش گاہ کے احاطہ میں منعقد کیا گیا۔ لجنہ، ناصرات کی حاضری ۴۰۰ کے قریب تھی۔

کارروائی کا آغاز دس بجے ہوا۔ تلاوت قرآن کریم، حدیث اور نظم کے بعد تقریری مقابلہ جات ہوئے۔ منصفین کے فرائض محترمہ زکیہ اعجاز صاحبہ، محترمہ بشریٰ سمیع صاحبہ، محترمہ بشریٰ ماجد صاحبہ، محترمہ امتہ العزیز صاحبہ اور محترمہ امتہ المنان صاحبہ نے انجام دیئے۔

شعبہ جات کی سالانہ کارکردگی میں اوّل حلقہ حاجی آباد، دوم حلقہ غلام محمد آباد اور حلقہ گلستان کالونی کو سوم قرار دیا گیا۔ مقابلہ جات کے بعد وقفہ برائے نماز، طعام ہوا بعد از نماز ظہر ناصرات کا پروگرام شروع ہوا۔

آخر میں محترمہ نائب صدر صاحبہ نے تقاریر اور بہترین کارکردگی میں پوزیشن لینے والی ممبرات میں انعامات تقسیم کئے۔ اس موقع پر مختلف چیزوں کے سٹال اور مقامی نمائش بھی لگائی گئی۔ اجتماعی دعا کے بعد اجلاس ختم ہوا۔

رپورٹ سالانہ اجتماع سرگودھا شہر

سرگودھا شہر میں مقامی طور پر اجلاس کا اہتمام کیا گیا۔ اس میں مکرم مولانا دوست محمد صاحب شاہد نے خطاب فرمایا۔ لجنہ، ناصرات کے حسن قرأت، حفظ تقریر۔ نظم اور دینی معلومات کے مقابلہ جات ہوئے۔

بعد ازاں مطالعہ کتب حضرت بانی سلسلہ احمدیہ "تکبّر" تربیت اولاد، عبادت سچائی کی برکات اور احمدی خواتین کی ذمہ داریاں کے موضوعات پر تربیتی تقاریر ہوئیں۔ آخر میں نمایاں پوزیشن حاصل کرنے والی لجنہ، ناصرات میں انعامات تقسیم کیے گئے۔

قوموں کی اصلاح

حضرت فضل عمر فرماتے ہیں " قوموں کی اصلاح نوجوانوں کی اصلاح کے بغیر نہیں ہو سکتی "

الفضل کا باقاعدگی سے مطالعہ بھی نوجوانوں کی اصلاح کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔ نوجوانوں کو اس کے مطالعہ کی عادت ڈالئے اور قوموں کی اصلاح کا سامان کیجئے۔ (مینیجر)

حضرت حکیم نظام جان کے
مشہور دواخانہ پر
حکیم عبد الحمید اعوان
ہر ماہ کی ۵-۶-۷ تاریخ کو اقصیٰ چوک (نزد لیٹر بکس) ربوہ میں حاضر ہوتے ہیں
خواتین کیلئے معائنہ کا مستقل طور پر انتظام ہے
مینیجر: مشہور دواخانہ
نزد لیٹر بکس اقصیٰ چوک ربوہ

آنکھ کا السر، زخم، ناخونہ
پھولا، چٹا، دھند، ناسور، کمزوری نظر وغیرہ امراض کی حقیقت اور جدید علاج پر بانی کیورٹیو سسٹم کا رسالہ
Eyes Cure GUIDE آئیز کیور گائیڈ
میڈیکل سٹورز سے دستیاب ہے یا ۳/ روپے کے ٹکٹ بھیجکر حاصل کریں
کیورٹیو میڈیسن (ڈاکٹر راجہ ہومیو کمپنی) ربوہ (شعبہ اشاعت)
فون ۷۷۱، ۶۶۱، ۶۰۷

خبریں

• پاکستان کی وزیر اعظم محترمہ بینظیر بھٹو نے چینی وزیر اعظم کے ساتھ مذاکرات کئے۔ دونوں اطراف سے معاونوں نے مذاکرات میں مدد کی۔ اس سے قبل دونوں وزرائے اعظم نے اپنے اپنے وزرائے خارجہ کے ساتھ ایک الگ بات چیت کی جو ڈھائی گھنٹے تک جاری رہی۔ وزیر اعظم بے نظیر نے آج ماؤزے تنگ کی یادگار پر بھی پھول چڑھائے

• وزیر اعظم محترمہ بے نظیر بھٹو نے اس خبر کی تردید کی ہے کہ پاکستان افغانستان پر حملہ کرنے کے لئے افغان بارڈر پر فوج جمع کر رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان کو اندرون ملک کئی مسائل درپیش ہیں اسلئے ہم بیرون ملک کسی محاذ آرائی کے متحمل نہیں ہو سکتے۔

• اسلام آباد میں آج ریگولر سکیم کے تحت ۴۳ ہزار عازمین حج کی قرعہ اندازی ہوئی۔ جو عازمین بحری جہاز پر جا رہے ہیں ان کو قرعہ اندازی کے بغیر کامیاب قرار دے دیا گیا اور اسی طرح سپانسر سکیم کے تمام عازمین کو بھی کامیاب قرار دیا گیا ہے۔

• اسلام آباد میں آج امریکن سنٹر کے باہر مظاہرہ کرنے والوں نے پتھراؤ کیا جس سے بعض لوگ زخمی ہو گئے۔ مظاہرین سلمان رشدی کی کتاب کے خلاف مظاہرہ کر رہے تھے۔

★ فیصل آباد میں ایک مزدور کے قتل کے بعد مشتعل مظاہرین نے ایک تھانہ (ڈی ٹائپ کالونی) فائر بریگیڈ اور میونسپل کارپوریشن کی دو گاڑیوں کو آگ لگا کر راکھ کے ڈھیر میں تبدیل کر دیا۔ پتھراؤ کے نتیجے میں ۲ پولیس افسروں سمیت چالیس پولیس اہلکار اور مظاہرین زخمی ہو گئے۔ بعد کی اطلاعات کے مطابق مظاہرین نے ایک پٹرول پمپ اور کوکا کولا کی فیکٹری کو بھی آگ لگا دی۔

★ پنجاب کے وزیر اعلیٰ مسٹر نواز شریف کو ایک سال کے لئے اسلامی اتحاد کا سربراہ منتخب کر لیا گیا ہے۔ قواعد کے تحت اس سال کا صدر مولانا سمیع الحق کو ہونا تھا لیکن انہوں نے رضاکارانہ طور پر یہ عہدہ نواز شریف کے سپرد کرنے کی پیشکش کی جسے منظور کر لیا گیا۔

★ وزیر اعظم محترمہ بے نظیر بھٹو نے چین روانگی سے قبل چیف آف آرمی سٹاف جنرل مرزا اسلم بیگ سے اہم بات چیت کی۔ وزیر اعظم چین جانے کے لئے طیارے میں سوار ہو چکی تھیں کہ جنرل بیگ طیارے میں داخل ہوئے۔ یہ گفتگو آدھا گھنٹہ جاری رہی۔

★ باخبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ افغان مجاہدین کی بعض "تنظیموں کے اصرار پر افغانستان کے سابق شاہ ظاہر شاہ نے افغانستان پہنچ کر حکومت سنبھالنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔

★ سندھ میں ڈاکوؤں کے خلاف مہم کے مختلف واقعات میں پندرہ بدنام ڈاکو ہلاک ہو چکے ہیں
اسی طرح بڑے مقابلوں کے بعد ۷۹ ڈاکو گرفتار ہو چکے ہیں۔

★ آٹھویں ترمیم اور ریفرنڈم کو سندھ ہائی کورٹ میں چیلنج کر دیا گیا۔ عدالت عالیہ اس آئینی درخواست کی سماعت کل کرے گی۔

★ پاکستان نے جو میزائل تیار کیا ہے اس کا تجربہ مکران کے ساحل پر کامیابی سے کیا گیا۔ میزائل کا نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کے نام پر "حتف" رکھا گیا ہے۔

★ عراق اور ایران اس پر راضی ہو گئے ہیں کہ اقوام متحدہ کی جانب سے امن کے عمل کو دوبارہ شروع کرنے کے لئے تازہ کوششیں کی جائیں گی۔ تاکہ خلیج کی جنگ کو مستقل طور پر ختم کیا جا سکے۔

چنیوٹ پل کی بندش کا پروگرام
ایکسین ہائی وے جھنگ کے مطابق ربوہ اور چنیوٹ کے درمیان پل ۲۱ / فروری سے ۴ / اپریل تک روزانہ صبح ۱۰ بجے سے ۲ بجے تک ٹریفک کے لئے بند رہے گا

★ ولنگٹن میں ہونے والے پاکستان اور نیوزی لینڈ کے درمیان دوسرے ٹیسٹ کے دوسرے دن نیوزی لینڈ نے پہلی اننگز میں تمام کھلاڑی آؤٹ ہونے پر ۴۴۸ رنز بنائے۔ عمران خان اور سلیم جعفر نے تین تین وکٹ حاصل کئے۔ جبکہ مدثر نذر نے دو اور عبد القادر نے ایک وکٹ حاصل کی۔ تیسرے دن میچ ختم ہونے تک پاکستان نے دو وکٹوں پر ۲۰۹ رنز بنائے۔